معاشرتی بدامنی کے معاشی اسباب: تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں

Economic causes of social insecurity: In the Life of Prophetic Teachings

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی [*]

ABSTRACT:

Economic causes of social insecurity describes the risk of economic loss faced by workers and households as they encounter the unpredictable events of social life. This review suggests a nine-part framework for studying the distribution and trends in these economic risks. Empirical research in these areas reveals high levels of economic insecurity among low-income households and suggests an increase in economic insecurity with the growth in economic inequality in the Country. The solution of social insecurity because of Economic causes is also discussed in the light of Teachings of Holy Prophet.

Keywords: social insecurity, Concentration, Hoarding, Smuggling, Seerah.

تمہید:

اسلام ایک فطری دین ہے، اس نے انسان کے اجتماعی شعور کا لحاظ رکھا ہے اور انسان کے باہمی میل جول سے پیدا ہونے والی اجتماعیت کو تسلیم کیا ہے، اسلام انسانوں کی اجتماعیت کو تقویت دینے یا بالفاظ دیگر معاشرتی نظام کی اصلاح کے لیے صالح بنیاد فراہم کرتا ہے اور ان عوامل کا بیخ کنی کرتا ہے جس سے معاشرے میں فساد اور بدامنی پیدا ہو جائے۔ آج ہمارا معاشرتی نظام فساد اور بدامنی کا شکار ہے اور اس فساد اور بدامنی کے اہم اسباب میں سے معاشی اسباب بھی شامل ہیں، مذکورہ مضمون میں معاشرتی بدامنی اور فساد کا سبب بننے والے اہم معاشرتی اسباب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اسلام میں خرید فروخت اور لین دین کے معاملات میں کوئی ایسا معاملہ جائز نہیں جس سے فاسد نظام معیشت بروئے کار آئے یا اس کو کسی قسم کی بھی اعانت پہنچے، یا اس کے نتیجہ میں معاشرے میں بدامنی پیدا ہو جائے، اسی لیے اسلام نے ربوا (سود) کے ہر قسم کے تجارتی کاروبار، قمار (جوا) کی تمام ظاہری و خفی اقسام واصناف، احتکار واکتناز کی تمام اشکال، اسی طرح کے عقود فاسدہ کی دوسری تمام صورتوں کو ناجائز اور مردود قرار دیا اور معاملات کے کسی شعبہ میں بھی ''فاسد معاشیات'' کو دخیل اور بروئے کار نہیں آنے دیا۔ معاشرتی بدامنی کے سبب بننے والے چند اہم فاسد معاشی معاملات درج ذیل ہیں۔

1: اکتناز:(Concentration)

اکتناز کا لفظ کنز سے نکلا ہے، یعنی وہ مال ودولت جو خزانہ کیا جائے یا جمع کیا جائے اور جسے خدا اور بندوں کے حقوق بھی ادا نہ کئے جائیں، تو یہ اکتناز کی وہ شکل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍo يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ [1]

---

[*] Dean, Faculty of Arts & Humanities, University of Balochistan, Quetta

معاشرتی بدامنی کے معاشی اسباب: تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں

Economic causes of social insecurity: In the Life of Prophetic Teachings

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی*

ABSTRACT:

Economic causes of social insecurity describes the risk of economic loss faced by workers and households as they encounter the unpredictable events of social life. This review suggests a nine-part framework for studying the distribution and trends in these economic risks. Empirical research in these areas reveals high levels of economic insecurity among low-income households and suggests an increase in economic insecurity with the growth in economic inequality in the Country. The solution of social insecurity because of Economic causes is also discussed in the light of Teachings of Holy Prophet.

Keywords: social insecurity, Concentration, Hoarding, Smuggling, Seerah.

تمہید:

اسلام ایک فطری دین ہے، اس نے انسان کے اجتماعی شعور کا لحاظ رکھا ہے اور انسان کے باہمی میل جول سے پیدا ہونے والی اجتماعیت کو تسلیم کیا ہے، اسلام انسانوں کی اجتماعیت کو تقویت دینے یا بالفاظ دیگر معاشرتی نظام کی اصلاح کے لیے صالح بنیاد فراہم کرتا ہے اور ان عوامل کا بیخ کنی کرتا ہے جس سے معاشرے میں فساد اور بدامنی پیدا ہو جائے۔ آج ہمارا معاشرتی نظام فساد اور بدامنی کا شکار ہے اور اس فساد اور بدامنی کے اہم اسباب میں سے معاشی اسباب بھی شامل ہیں، مذکورہ مضمون میں معاشرتی بدامنی اور فساد کا سبب بننے والے اہم معاشرتی اسباب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اسلام میں خرید فروخت اور لین دین کے معاملات میں کوئی ایسا معاملہ جائز نہیں جس سے فاسد نظام معیشت بروئے کار آئے یا اس کو کسی قسم کی بھی اعانت پہنچے، یا اس کے نتیجہ میں معاشرے میں بدامنی پیدا ہو جائے، اسی لیے اسلام نے ربوا(سود) کے ہر قسم کے تجارتی کاروبار، قمار (جوا) کی تمام ظاہری و خفی اقسام واصناف، احتکار واکتناز کی تمام اشکال، اسی طرح کے عقود فاسدہ کی دوسری تمام صورتوں کو ناجائز اور مردود قرار دیا اور معاملات کے کسی شعبہ میں بھی ''فاسد معاشیات'' کو دخیل اور بروئے کار نہیں آنے دیا۔ معاشرتی بدامنی کے سبب بننے والے چند اہم فاسد معاشی معاملات درج ذیل ہیں۔

* Dean, Faculty of Arts & Humanities, University of Balochistan, Quetta

1: اکتناز:(Concentration)

اکتناز کا لفظ کنز سے نکلا ہے، یعنی وہ مال و دولت جو خزانہ کیا جائے یا جمع کیا جائے اور جسے خدا اور بندوں کے حقوق بھی ادا نہ کئے جائیں، تو یہ اکتناز کی وہ شکل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔[2]

" اور جو لوگ خزانہ بنا کر رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو اور اس کو اللہ تعالی کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، سو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو، اس روز (واقع ہوگا) جبکہ اس (سونا چاندی) کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (پس ان سے کہا جائے گا) یہی ہے وہ جسے تم اپنے واسطے جمع کرتے رہے تھے، سو اب مزہ چکھو اپنے جمع کرنے کا"۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا عبدالماجد دریاآبادی لکھتے ہیں:

"کنز کے لغوی معنی اس مال کے ہیں جو کسی ظرف میں محفوظ کر کے رکھا گیا ہو، یا زیر زمین دفن کر دیا گیا ہو، لیکن حدیث نبویؐ اور اصلاح شرعی میں کنز سے مراد وہ مال لیا گیا ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے اور جس کی زکوٰۃ ادا ہوتی رہے، اس پر اطلاق کنز کا نہ ہوگا۔ محدث بیہقی نے نافع مولیٰ ابن عمرؓ صحابی سے روایت کی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا ہو چکی، وہ کنز نہیں ہے، چاہے زمین کے سات پردوں میں گڑا ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، وہ کنز ہے، چاہے سطح زمین پر کھلا پڑا ہو۔ یہ قید خوب ذہن نشین رہے۔ وعید انہی لوگوں کے حق میں ہے جو غایت حرص کی بنا پر مال کے حقوق واجب ادا نہیں کرتے، اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے جس مال کو مذموم قرار دیا ہے وہ مطلق جمع نہیں، بلکہ صرف وہ جمع ہے جس میں ضروری مصارف خیر کی گنجائش نہ رکھی جائے اور اس مفہوم پر بجز ایک صحابیؓ ابوذرؓ اور چند اہل زہد کے باقی اکابر صحابہؓ اکابر تابعین اور جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ اس آیت میں سونے اور چاندی کا نام بطور مثال اور نمونہ کے لیے دیا گیا کہ عموماً مال و جائیداد کے بڑے ذریعہ یہی ہیں، یہ مراد نہیں کہ حصول دولت و جمع دولت کا حصر انہیں دو چیزوں میں ہے اور اکتناز کرنے والوں کے لیے اتنی صریح، شدید، مؤکد وعید عذاب سے ظاہر ہے کہ بڑے بڑے کوٹھی وال مہاجنوں، بینکروں کی طرح سونے چاندی کے ڈھیر پر ڈھیر جمع کرتے رہنے کی گنجائش اسلام میں نہیں"[3]

اسی طرح ایک اور آیت میں اللہ تعالی کنز کرنے والوں اور مال خرچ نہ کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ۔[4]

"جو لوگ اللہ کے دیے ہوئے فضل میں بخل کرتے ہیں، وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ فعل ان کے لیے اچھا ہے، بلکہ درحقیقت یہ

ان کے لیے بُرا ہے"

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨO الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗO يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ۔ [5]

"بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا، غیبت کرنے والا ہو۔ جو مال جمع کرتا جائے اور گنتا جائے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا"

دولت کی محبت، لامحدود ملکیت کی خواہش اور بخل یہ تینوں چیزیں سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد ہیں، جبکہ اسلام کا ان تینوں چیزوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور اسلام کی تعلیمات یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہو جائے، بلکہ یہ دولت گردش میں رہے، ارشاد خداوندی ہے:

كَىۡ لَا يَكُوۡنَ دُوۡلَةًۢ بَيۡنَ الۡاَغۡنِيَآءِ مِنۡكُمۡ۔ [6]

"خبر دار ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف تمہارے دولتمندوں میں ہی محدود ہو کر رہ جائے"

اس آیت سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام بالعموم سرمایہ داری یا سرمایہ کے اجتماع و مرکزیت کے حق میں نہیں، بلکہ اسلام کی معاشی تعلیمات کا منشا یہ ہے کہ دولت ہمیشہ گردش میں رہے، اپنی ضرورت سے زائد مال حاجتمندوں کی ضروریات پر خرچ کیا جائے، اکتناز ہی کو ختم کرنے کے لیے زائد از ضرورت فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ کا رشاد ہے:

وَفِىۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآٮِٕلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ۔ [7]

"اور ان کے مالوں میں سائل اور نادار لوگوں کا حق ہے"

ان سب آیات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ مال و دولت کو سمیٹ سمیٹ کر خزانہ بنا لینا مقصد نہیں، بلکہ دولت کا مقصد اجتماعی خوشحالی اور کفالت عامہ ہے، تاکہ نظام دنیا صالح بنیادوں پر استوار ہو، حضرت مولانا سیوہاروی ان آیات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ان سب آیات کی روح یہ ہے کہ دولت و ثروت جمع و ذخیرہ کے لیے نہیں ہے، بلکہ صرف و خرچ کے لیے ہے اور اس کا مصرف ذاتی و انفرادی تعیش کی بجائے انفرادی و اجتماعی ضروریات کی کفالت ہے، اسی لیے ان آیات کی تفسیر میں جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ اور دوسرے مالی فرائض ادا نہ کئے گئے ہوں تو وہ مال احتکار و اکتناز کی فہرست میں شامل اور کنز سے متعلق وعید کا مصداق ہے اور اسی قسم کی دولت و ثروت کا نام سرمایہ داری ہے اور یہ حرام اور باطل ہے اور تباہ کر دینے کے قابل، اور اپنی ضروریات اور اہل و عیال کی حاجات اصلیہ اور مالی فرائض و واجبات کی ادا کے بعد بھی دولت باقی بچے، تو اس کا پس انداز (جمع) کرنا اگرچہ جائز ہے، مگر خلاف اولیٰ ہے۔ کیونکہ اب اس مال پر اجتماعی حقوق عائد ہو چکے ہیں اور اب اس کو اجتماعی حاجات میں صرف ہونا چاہیے اور جمہور کے

خلاف ابوذر غفاریؓ اور بعض علماء اسلام اس کو بھی جمع کر کے رکھنا حرام بتاتے ہیں"۔[8]

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ لکھتے ہیں:

"جملہ اشیاء علم بدلیل فرمان واجب الاذعان خَلَقَ لَكُمْ مَافِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً (البقرۃ 29:2) تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس (انسان) ہے اور کوئی شئی فی حدذاتہ کسی کی مملوک خاص نہیں بلکہ ہر شئے فی حدذاتہ کسی کی مملوک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے، ہاں بوجہ رفع نزاع وحصول انتفاع قبضہ کو علت ملک مقرر کیا گیا اور جب تک کسی شئی پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی رہے، اس وقت تک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کر سکتا۔ ہاں خود مالک و قابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے، بلکہ اس کو اوروں کے حوالے کر دے، کیونکہ باعتبار اصل دونوں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مال کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا، اگر زکوۃ بھی ادا کر دی جائے اور انبیاء وصلحاء اس سے بغایت مجتنب رہے، چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے، بلکہ بعض صحابہ وتابعین وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرمایا۔ بہر کیف غیر مناسب وخلاف اولیٰ ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ زائد علی الحاجۃ سے تو اس کی کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی ملک من وجہ اس میں موجود تو گویا شخص مذکور من وجہ مال غیر پر قابض ومتصرف ہے"[9]۔ "حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ اہل وعیال کے نفقہ سے زیادہ روپیہ جمع کرنا قطعاً حرام ہے، وہ اسی کا فتویٰ دیتے، اسی کی تبلیغ کرتے اور اسی کا سب کو حکم دیتے تھے"۔[10]

اس کی بنیاد وہ نبی کریم ﷺ کے ان ارشادات پر رکھتے ہیں جن میں جوڑ جوڑ کر رکھنے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے اور اللہ کریم کی رضاجوئی کے لیے محتاجوں پر خرچ کر دینے کی تاکید اور ستائش کی گئی ہے، ان بہت سی احادیث میں سے ایک حدیث درج ذیل ہے، جسے حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں:

"میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ کے علاقہ حرہ میں چل رہا تھا، ہمارا رخ احد کی طرف تھا، آپؐ نے فرمایا: ابوذرؓ! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں، اے اللہ کریم کے رسول ﷺ! آپؐ نے فرمایا: مجھے اس بات سے خوشی نہ ہو گی کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو، پھر اس پر تین روز گزر جائیں اور میرے پاس اس میں سے ایک دینار بچ جائے، البتہ ادائیگی قرض کے لیے کچھ بچا لوں تو اور بات ہے، ہاں میں اسے اللہ کریم کے بندوں میں ایسے اور ایسے اور ایسے بانٹوں اور آپؐ نے اپنے دائیں، بائیں اور پیچھے اشارہ کر کے دکھایا۔ پھر آپؐ چل پڑے اور فرماتے جاتے تھے: یقیناً آج جو کثرت (مال) والے ہیں وہ قیامت کے دن قلیل (ثواب) والے ہوں گے ہاں البتہ جس نے ایسا کیا اور ایسے کیا اور ایسے کیا اور آپؐ نے اپنے دائیں، بائیں اور پیچھے ہاتھوں کو (گھما کر) دکھایا، مگر ایسے (خوش نصیب) بہت کم ہوں گے"۔[11]

بہر حال اسلام کے اگر سارے نظام کا جائزہ لیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ اس کی تمام تعلیمات کا خلاصہ اکتناز ہی کی

ممانعت ہے ،اسلام فرد اور جماعت کی خوشحالی چاہتا ہے ، محنت کو اولین حیثیت دیتا ہے اور کسی بھی صورت میں افراد کو جماعت کے استحصال کی اجازت نہیں دیتا، جبکہ سرمایہ دار کی ساری تعلیمات کا بنیادی نقطہ ہی مال و دولت کی ذخیرہ اندوزی ہے اور اسی بنیاد پر اسلام اور سرمایہ داری کی راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔

2: احتکار:(Hoarding)

زمیندار اور تاجر لوگ اپنی ہوس زر پوری کرنے کے لئے بسااوقات زمین سے حاصل شدہ یا خرید کردہ جنس کی فروخت بند کر دیتے ہیں، اس انتظار میں کہ جب بھاؤ گران سے گران تر ہو جائے تو اس وقت فروخت کر کے زیادہ سے زیادہ نفع کمائیں۔اسی کا نام ذخیرہ اندوزی ہے، اور شرعی اصطلاح میں اسے "احتکار" کہا جاتا ہے اور یہ حرام ہے۔

اگرچہ اسلام افراد کو بیع و شراء اور فطری مقابلہ کی آزادی دیتا ہے، لیکن اس بات سے اسے شدید انکار ہے کہ لوگ خود غرضی اور لالچ میں مبتلاء ہو کر اپنی دولت میں اضافہ کرتے چلے جائیں، خواہ غذائی اجناس اور قوم کی دیگر اشیائے ضرورت ہی کے ذریعے کیوں نہ دولت سمیٹی جاسکے۔اسی لئے نبی ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن عُمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ، قالَ سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰہ صلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وسَلَّمَ یَقُوۡلُ مَنِ احتَکرَ عَلَی الۡمُسۡلِمِیۡنَ طَعَامًا ضَرَبَہُ اللّٰہُ بِالجذامِ و الافلاس۔[12]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے سنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ ﷺ فرماتے تھے جس نے مسلمانوں پر احتکار کیا، کھانے کی چیزوں کا، تو اللہ تعالیٰ اس کو جذام اور افلاس میں مبتلا کرے گا۔"

زیادہ نفع کمانے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اپنے فروختنی مال کو جلد از جلد فروخت کر کے اسی رقم سے نیا مال خرید کر پھر فروخت کرتے جائیں، اور ایک سال کئی بار یہ چکر چلتا رہے، یہ صورت شرعی نقطہ نظر سے پسندیدہ اور ملکی معیشت کے لئے بھی بہت مفید ہے، دوسری صورت ذخیرہ اندوزی ہے، جو مذموم بھی ہے، اور ملکی معیشت پر تباہ کن اثرات کی حامل بھی۔اسی لئے حضور ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کی مذمت فرمائی ہے۔

عن معمر بن عبد اللّٰہ بن نضلَۃَ قالَ قَالَ رَسُوۡل اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ لاَ یَحتکِرُ اِلاَّ خاطِیٌٔ۔[13]

"معمر بن عبداللہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: احتکار نہیں کرتا مگر وہی جو خاطی (یعنی گنہگار) ہو۔"

ذخیرہ اندوزی کی صورتیں: ذخیرہ اندوزی کی کئی صورتیں ہیں اور ہر ایک کا حکم جدا ہے۔

1۔ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین کا غلہ روک رکھے اور فروخت نہ کرے، یہ جائز ہے، لیکن اس صورت میں گرانی اور قحط

کاانتظار کرناگناہ ہے،اوراگرلوگ تنگی میں مبتلاہوجائیں،تواس کواپنی ضرورت سے زائدغلہ کے فروخت کرنے پر مجبور کیاجائے گا۔

2۔دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص غلہ خرید کرذخیرہ کرلیتاہےاورجب لوگ قحط اور قلت کاشکار ہوجائیں،تب بازار میں لاتاہے، یہ صورت حرام ہے۔

3۔تیسری صورت یہ ہے کہ بازار میں اس جنس کی فراوانی ہے،اورلوگوں کوکسی طرح کی تنگی اور قلت کاسامنانہیں،ایسی حالت میں ذخیرہ اندوزی جائز ہے،مگر گرانی کے انتظار میں غلہ کوروک رکھناکراہت سے خالی نہیں۔

4۔چوتھی صورت یہ ہے کہ انسانوں یاچوپائیوں کی خوراک کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا،اس کے علاوہ دیگر چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے،جس سے لوگوں کوتنگی لاحق ہوجاتی ہے،یہ بھی ناجائز ہے۔[14]

ذخیرہ اندوزی کادائرہ:

ویسے توہر چیز کی ذخیرہ اندوزی ہوسکتی ہے،لیکن احادیث میں احتکار کااطلاق عموماًطعام کے لئے آیاہے،اورجو جنس بھی کھانے پینے کے استعمال میں آتی ہے(یعنی تمام اجناس خوردنی اوراشیائے خوردونوش)یہ احکام درجہ بدرجہ لاگوہوتے ہیں،سب سے پہلے گندم پھرچاول،چینی،نمک اور مصالحے دالیں وغیرہ۔

ذخیرہ اندوزی دراصل عوام کی معاشی ابتری اوراقتصادی بدحالی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی غرض سے اجناس کاذخیرہ کرناہے، آخرجب اشیاءخوردونوش کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں،اورعوام گرانی کے ہاتھوں فاقہ کشی پر مجبور ہوجاتے ہیں،تووہ ان کی نازک حالت پررحم کرنے کے بجائے ان کی مجبوری میں ان کازیادہ سے زیادہ استحصال کرتاہے،اسی لئے احتکار بہت بڑاظلم ہے۔

ذخیرہ اندوزی ملکی معیشت پریوں اثرانداز ہوتی ہے کہ بہت سی جنس بازار میں جانے سے رک جاتی ہے،جس کالازمی نتیجہ یہ ہوتاہے کہ جنس کابھاؤ تیز ہوناشروع ہوجاتاہے،جس کابار غریب عوام پرپڑتاہے،جبکہ زمیندار اورتاجر اپنی اس محفوظ کردہ جنس کی بدولت بہت زیادہ فائدہ اٹھاجاتے ہیں۔

3:　　اجارہ داری:

نظام سرمایہ داری کاایک بڑانقص یہ ہے کہ اس میں مقابلہ ومسابقت کے باوجود بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات چند کاروباری حضرات یاکوئی ایک کاروباری فرد بازار کی قوتوں پرکنٹرول حاصل کرلیتاہے،خواہ یہ کنٹرول باہمی ملی بھگت یاکسی اوروجہ سے ہو،عام طورپر چند کاروباری حضرات مل کرآپس میں کچھ کاروبار تقسیم کرلیتے ہیں اورکوئی ایک دوسرے کے مقابلے میں نہیں آتا،جس کی وجہ سے کاروباری اپنی پیداوار کاواحداجارہ دار بن جاتاہے،بعض اوقات مقابلہ کے ذریعے اپنے مقابل کاروباریوں کوشکست دے کران کوپیداوار بند کردینے پرمجبور کردیاجاتاہےاورآخرکار ملک کی اجتماعی معیشت چند بڑے بڑے اجارہ داروں کے ہاتھ میں کھلونابن جاتی ہےاوراس طرح یہ طرح طرح کے طریقوں سے عوام کااستحصال کرتے ہیں،اس طاقت کواشیاءکی ہنگامی،بےجانفع اندوزی،اشیاءکی کوالٹی(معیار)

گرانے ،مارکیٹ میں مصنوعی قلت پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاہے ،جن سے قیمتیں بڑھتی ہے اور عام افراد معاشی بدحالی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اسلام اس بات کو ہر گز پسند نہیں کرتا کہ چند لوگوں کے مفاد کا اجتماعی مفاد پر برتری حاصل ہو،سرمایہ دار خوشحال ہوں اور عام لوگ مفلوک الحال،اس سلسلے میں حکومت کو قانونی طور پر یہ حق حاصل ہے کہ وہ مفاد عامہ کے پیش نظر فوری کاروائی کرے، اس سلسلے میں امام نووی ؒلکھتے ہیں:

انّ الشرع ینظر فی مثل ھذہ المسائل الی المصلحۃ النّاس والمصلحۃ تقتضی ان ینظر للجماعۃ علی الواحد۔[15]

"شریعت ایسے مسائل میں عامۃ الناس کی مصلحت کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرتی ہے اور مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ فرد واحد (کے مفاد) پر جماعت (کے مفاد) کو ترجیح دی جائے"

رسول اکرم ﷺ نے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق کاروباری لوگوں پر پابندیاں عائد کردی تھی کہ وہ شہر سے باہر جاکر تجارتی قافلوں سے اشیاء نہ خریدیں،دستور یہ تھا کہ چند ہوشیار تاجر مدینہ سے باہر جاکر تجارتی قافلوں سے یا دیہات سے آنے والے لوگوں سے مال تجارت سستے داموں خرید لیتے تھے،کیونکہ یہ دیہاتی لوگ یا تجارتی قافلے شہر کی قیمتوں سے ناواقف ہوتے تھے،اس لیے وہ ان تاجروں کو سستے داموں مال فروخت کردیتے اور بعد میں یہی لوگ (تاجر) مہنگے داموں بازار میں آکر مال فروخت کرتے، جس سے شہر والوں کو بھی مہنگے داموں مال ملتا اور باہر آنے والے بھی زیادہ نفع حاصل نہیں کرپاتے ،اسی طرح گویا مدینہ کے ان تاجروں کو ایک قسم کی اجارہ داری حاصل ہوگئی تھی،جو اجتماعی مفاد کے لیے نقصان دہ تھی،اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس پر پابندی عائد کردی ،جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے:

اَنَّ رَسُولَ اللّٰہ ﷺ نھیٰ ان تتلقّی السِّلع ۔[16]

"نبی کریم ﷺ نے (بستی سے باہر) آگے جاکر اسباب تجارت سے ملنے کو منع کیا"۔

دور حاضر میں معدنیات یا دوسری اشیاء پیداوار پر سرمایہ داروں کو بڑی حد تک اجارہ داری حاصل ہے، بڑی بڑی کمپنیاں ان اشیاء کو جس طرح چاہتی ہیں اور جس قیمت پر چاہتی ہیں، عوام تک پہنچاتی ہیں، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ کارخانے میں مثلاً جس چیز کی لاگت پانچ روپے ہوتی ہے، وہ عام آدمی تک پہنچتے پہنچتے بیس روپے کی ہو جاتی ہے۔

ان حالات میں بہر حال یہ حکومت وقت کا فرض ہے کہ ایسی اجارہ دار کمپنیوں کا خاتمہ کرے، آڑھت اور کمیشن ایجنٹس پر پابندی عائد کرے اور جس چیز کی پیداوار قابل اصلاح نہ ہو ،اس کی پیداوار پبلک سیکٹر میں شروع کرے، لیکن یہ سب کچھ مفاد عامہ کے پیش نظر ہونا چاہیے، جب اصلاح کی گنجائش نہ رہے، تاکہ عام لوگ خوشحال ہوں، ضروریات زندگی آسان طریقے سے اور مناسب داموں پر لوگوں تک پہنچیں اور عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوں۔

4: سٹہ(Speculation)

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابقSpeculation کا لغوی مفہوم ہے" جو کچھ ہو چکا ہے، یا ہو سکتا ہے، اس کے بارے میں تمام حقائق جانے بغیر رائے قائم کرنے کا عمل"۔[17]

معاشی اصطلاح کے مطابق اس کی تعریف یہ ہے:

"بازاری قیمت میں تبدیلیوں سے نفع حاصل کرنے کی کوشش جس کے نتیجے میں سرمائے میں متوقع اضافہ کی خاطر موجودہ آمدنی کو چھوڑ دیا جائے"۔[18]

کاروبار سٹہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے مولانا عبدالرحمن کیلانی لکھتے ہیں:

"سٹہ باز جو عموماً بڑے بڑے تاجر ہوتے ہیں، اپنے دفتروں میں بیٹھ کر یہ کاروبار کرتے ہیں، کسی ایک جنس کے متعلق اندازہ کیا جاتا ہے کہ اتنی مدت کے بعد اس چیز کا بھاؤ اتنا ہو جائے گا، مثلاً آج کل چنے کا بھاؤ چار ہزار روپے فی من ہے، ایک صاحب اندازہ لگاتے ہیں کہ چھ مہینے کے بعد چنے کا بھاؤ پانچ ہزار روپے ہونے کا امکان ہے اور دوسرے صاحب کے خیال میں بھی یہ نرخ پانچ ہزار روپے تک چلا جائے گا، ان میں سے ایک صاحب بائع بن جاتا ہے، دوسرا مشتری۔ سودا یہ طے پاتا ہے کہ آج سے پورے چھ مہینے بعد چنے کی ایک ہزار بوری پانچ ہزار روپے من کے حساب سے فروخت کرتا ہوں، دوسرے صاحب مشتری بن کر سودا پکا کر لیتے ہیں اور کچھ بیعانہ بھی دے دیتے ہیں، حالانکہ بائع کے پاس مال موجود نہیں ہوتا، چھ ماہ گذرنے کے بعد وہ نفع و نقصان کا حساب کر کے رقم کا لین دین کر لیتے ہیں، نہ کوئی مال دیتا ہے، نہ لیتا ہے، تجارت کی اس قسم کو سٹہ کہتے ہیں"۔[19]

مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"مستقبل میں کیا ہونے والا ہے؟ ظاہر سی بات ہے کہ کوئی شخص بھی اس کے بارے میں سو فیصد درست معلومات رکھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، زیادہ سے زیادہ اگر کوئی کچھ کر سکتا ہے تو یہی ہے کہ بہتر سے بہتر طریقے استعمال کر کے اس کے متعلق اندازہ اور تخمینہ لگا لے۔ اس اعتبار سے ہر سرمایہ کاری اور ہر تجارت میں ظن و تخمین کا عنصر ضرور ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کا ظن و تخمین برا نہیں ہوتا، لیکن جب اندازہ لگانے کے اس عمل کو کسی قید اور پابندی کے بغیر کام کرنے دیا جائے، تو اس کے بداثرات جوئے خانے میں ہونے والی قمار بازی سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں اور پھر یہ مطابہ ابھرتا ہے کہ قوموں کی دولت کا دارومدار اس پر ہے کہ اس جنگلی درندے کو کیسے پنجرے میں لایا جائے؟۔

لہذا سوال یہ ہے کہ بے ضرر کاروباری اندازوں اور اس سٹے کے درمیان کیسے کوئی حد کھینچی جائے جو جوا کھیلنے کے مترادف ہوتا ہے؟ اگر ظن و تخمین کا استعمال حقیقی تجارتی سودے کی حد تک محدود رہے تو یہ کبھی معاشرے کے لیے کوئی مشکل کھڑی نہ کرے، آدم سمتھ نے جہاں سٹہ کے بارے میں گفتگو کی ہے، وہاں اس نے وہ سٹہ مراد لیا ہے جو حقیقی تجارتی سرگرمیوں میں کیا جائے، اس نے

سٹہ کرنے والے کا ایک ایسے تاجر کی حیثیت میں تعارف کروایا ہے جو کسی پہلے سے طے شدہ یا ایک متعین تجارت کو اختیار نہیں کرتا، مثلاً اس سال وہ اناج کا تاجر ہے تو اگلے سال چائے کا، وہ ہر ایسی تجارت میں داخل ہو جاتا ہے جہاں اسے عام تجارتوں سے زیادہ نفع ہوتا نظر آئے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ اس تجارت کا نفع باقی تجارتوں کے نفع کی سطح پر آرہا ہے تو اسے ترک کر دیتا ہے، اس طرح کا سٹہ کرنے والا تاجر معاشی نظام کے لیے کوئی خطرہ پیدا نہیں کرتا۔ اسلام نے بھی اس قسم کے کاروبار پر کوئی پابندی نہیں لگائی، جب تک وہ ناجائز ذخیرہ اندوزی کی حد تک نہ پہنچے، جسے اسلامی فقہ میں احتکار کہا گیا ہے اور بشرطیکہ اس سے تجارت کے کسی اور حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آئے ایسا تاجر اگر کوئی غلط فیصلہ کر بیٹھے تو زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے، بر خلاف موجودہ دور کے مالیاتی سٹہ کے کہ جس کی سرگرمیاں پورے نظام ہی کو خطرہ میں ڈال دیتی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سٹہ کرنے والے کسی حقیقی تجارتی سودے میں داخل نہیں ہوتے، بلکہ ان کے اکثر معاملات حقیقی تجارت ہی نہیں کہلا سکتے۔

وہ مزید لکھتے ہیں: ''تجارتی اصول کے مطابق کوئی شخص جب تک کسی چیز کا مالک نہ بن جائے، اسے فروخت نہیں کر سکتا، یہ نہ صرف درست بیع کی ایک عقلی ضرورت ہے، بلکہ اسلامی قانون کی رو سے ایک دینی حکم بھی ہے اور اس کی بنیاد نبی کریم ﷺ کے اس فرمان پر ہے:

لا تبع ما لیس عندك ۔[20]

''جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے، اس کو مت بیچو ''

پھر صرف ملکیت حاصل کرنا ہی شرط نہیں، بلکہ نبی کریم ﷺ نے یہ ہدایت بھی دی ہے کہ کوئی چیز اس وقت تک نہ بیچو جب تک وہ تمہارے قبضے میں نہ آجائے اور اسی کے متعلق نبی کریم ﷺ نے ایک اور وسیع اصول مقرر فرمایا کہ کسی کے لیے ایسی کوئی چیز فروخت کر کے نفع کمانا جائز نہیں ہے جس کی ذمہ داری اس نے نہ اٹھائی ہو اور اس چیز سے وابسطہ خطرات اس کی طرف منتقل نہ ہو گئے ہوں، چونکہ جب تک خریدار خریدی ہوئی چیز کو حقیقی یا معنوی طور پر اپنے قبضے میں نہیں لے گا، اس وقت تک اس چیز سے وابسطہ خطرات اس کی طرف منتقل نہیں ہوں گے، اس لیے اس کو اجازت نہیں ہے کہ وہ یہ چیز حقیقی یا معنوی قبضہ کے بغیر کسی تیسرے کو فروخت کرے۔ معنوی قبضہ کی مثلاً یہ صورت ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے کسی وکیل کے ذریعہ قبضے میں لے، یا اس چیز سے متعلق ایسے کاغذات اپنی تحویل میں لے لے جو اسے خریدی ہوئی چیز پر پورا کنڑول دیتے ہوں۔

لیکن آج کے دور میں سٹہ بازی کی بنیاد پر ہونے والی خرید و فروخت اکثر و بیشتر بغیر ملکیت حاصل کئے ہوئے انجام پا رہی ہیں۔ سٹہ کے بازار میں)Short Sale بغیر ملکیت حاصل کئے فروخت کرنا)اور(Blank Sale بغیر ملکیت حاصل کئے اور بر وقت چیز کو حاصل کرنے کا کوئی پیشگی انتظام کئے بغیر فروخت کرنا) ہی غالب ہیں اور یہ ان وجوہات میں سے ایک ہے جن کی وجہ سے یہ معاملات حقیقی تجارت کے زمرہ میں نہیں آتے۔

تجارت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حقیقی خریدار واقعی یہ چاہتا ہے کہ وہ خریدی ہوئی چیز کا قبضہ لے، یا تو خود اپنے استعمال کے لیے، یا اسے آگے کسی کو فروخت کرنے کے لیے، لیکن سٹہ باز عام طور پر چیز کا قبضہ لینے کی نیت سے نہیں خریدتے، ان کی ساری دلچسپی قیمت کے اتار چڑھاؤ میں ہوتی ہے اور پے درپے چند سودے کرنے کے بعد ان کا کام صرف فرق ادا کرنا یا وصول کرنا ہوتا ہے، اس کی وجہ سے سارا نظام بجائے تجارتی کاروبار کے "جوا" بن کر رہ جاتا ہے۔[21]

سٹہ کا حکم بیان کرتے ہوئے عبدالرحمن کیلانی لکھتے ہیں:

"سٹہ کئی لحاظ سے ممنوع ہے: (1) جو چیز پاس موجود نہیں، اس کی بیع ناجائز ہے۔ (2) جس مال پر قبضہ نہیں کیا گیا، اس کی بیع بھی ناجائز ہے۔ (3) اسے ماپ تول کر اپنی تسلی نہیں کی گئی۔ (4) مال تجارت کا لین دین سرے سے ہوا ہی نہیں، جب عوضین میں سے کچھ بھی حاضر نہیں، لہذا بیع النسیئۃ بِالنّسیئۃ کے تحت یہ بیع ممنوع ٹھہری"۔[22]

5: قمار:

باطل طریقے سے مال کھانے کی متعدد شکلیں ہیں، ان میں ایک شکل وہ ہے جس میں لاکھوں اور کروڑوں کی دولت لوگوں کو اس طرح مل جاتی ہے کہ ملک کے کسی باشندے کو اس کے معاوضہ میں کچھ نہیں ملتا، یعنی قمار اور اس کی مختلف شکلیں۔ قمار سے مراد صرف "جوئے Gambling" کی وہ عام شکل نہیں ہے جو نقد کے ذریعے کھیلا جاتا ہے، بلکہ وہ تمام صورتیں اس میں شامل ہیں جو تجارت کے نام سے کی جاتی ہیں، لیکن حقیقت میں قمار ہی کی قسمیں کہلاتی ہیں۔ قرآن حکیم میں قمار کے لیے "میسر" کا لفظ استعمال ہوا ہے، لغت میں میسر کے معنی تقسیم کرنے کے ہیں، جاہلیت عرب میں مختلف قسم کے جوئے رائج تھے، جن میں ایک قسم یہ بھی تھی کہ اونٹ ذبح کر کے اس کے حصے تقسیم کرنے میں جوا کھیلا جاتا تھا، بعض کو ایک یا زیادہ حصے ملتے، بعض محروم رہتے تھے، محروم رہنے والے کو پورے اونٹ کی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی، گوشت سب فقراء میں تقسیم کیا جاتا، خود استعمال نہ کرتے تھے، تقسیم کی مناسبت سے قمار کو میسر کہا جاتا ہے۔ تمام صحابہؓ و تابعین اس پر متفق ہیں کہ میسر میں قمار یعنی جوئے کی تمام صورتیں داخل اور سب حرام ہیں۔

میسر یا قمار کی آسان الفاظ میں تعریف یہ ہے کہ جس معاملہ میں کسی مال کا مالک بنانے کو ایسی شرط پر موقوف رکھا جائے جس کے وجود و عدم کی دونوں جانبین مساوی ہوں اور اسی بناپر نفع خالص یا تاوان خالص برداشت کرنے کی دونوں جانبین بھی برابر ہوں، مثلاً یہ بھی احتمال ہے کہ زید پر تاوان پڑ جائے اور یہ بھی ہے کہ عمر پر پڑ جائے، اس کی جتنی قسمیں اور صورتیں پہلے زمانے میں رائج تھیں، مثلاً بیع ملامسۃ، بیع منابذۃ اور بیع حصاۃ وغیرہ، یا آج رائج ہیں یا آئندہ پیدا ہوں، سب میسر اور قمار اور جوا کہلائے گا، معمے حل کرنے کا چلتا ہوا کاروبار، سٹہ، ریس اور تجارتی لاٹری کی عام صورتیں سب اس میں داخل ہیں۔

اسلام ان کو "میسر" قمار اور جوا قرار دیتا ہے اور اس قسم کے تمام معاملات کو با اصول تجارت کے لیے تباہ کن سمجھتا ہے اور معاشرتی تباہی کا پیش خیمہ یقین کرتا ہے اور ان باتوں کے علاوہ سوسائٹی کے اخلاق اور کیریکٹر کے لیے باعث ذلت و رسوائی جانتا ہے

کیونکہ یہ معاملات اکثر جنگ وجدل کا باعث بنتے ہیں، مواساۃ، رواداری، ہمدردی اور مروت کو تباہ اور دوسرے کی تباہی میں اپنا فائدہ سمجھنے کی ترغیب دے کر انسانی جوہر کو برباد کرتے ہیں، اسی لیے شریعت اسلامیہ اور اسلام کے عادلانہ معاشی نظام نے ان تمام مضر اشکال کی نفی فرمائی ہے اور اپنے پیروکاروں کو ان سے باز رہنے کی تلقین فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔[23]

"لوگ آپؐ سے شراب اور جوے کا مسئلہ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے، لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے"

مذکورہ آیت میں قرآن کریم نے وہی ارشاد فرمایا ہے جو شراب کے متعلق آیا ہے، کہ اس میں کچھ منافع بھی ہیں مگر نفع سے اس کا نقصان وضرر بڑھا ہوا ہے، اس کے منافع کو تو ہر شخص جانتا ہے کہ جیت جائے تو بیٹھے بیٹھے ایک فقیر بدحال آدمی ایک ہی دن میں مالدار و سرمایہ دار بن سکتا ہے، مگر اس کی معاشی، اجتماعی، سماجی اور روحانی خرابیاں اور مفاسد بہت کم لوگ جانتے ہیں، اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ جوئے کا کھیل سارا اس پر دائر ہے کہ ایک شخص کا نفع دوسرے کے ضرر پر موقوف ہے، جیتنے والے کا نفع ہی نفع، ہارنے والے کے نقصان ہی نقصان کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کاروبار سے کوئی دولت بڑھتی نہیں، وہ اسی طرح منجمد حالت ہی میں رہتی ہے، اس کھیل کے ذریعے ایک کی دولت سلب ہو کر دوسرے کے پاس پہنچ جاتی ہے، اس لیے قمار مجموعی حیثیت سے قوم کی تباہی اور انسانی اخلاق کی موت ہے کہ جس انسان کو نفع رسانی، حسن خُلق اور ایثار وہمدردی کا پیکر ہونا چاہیے، وہ ایک خوانخوار درندہ کی خاصیت اختیار کرلے کہ دوسرے بھائی کی موت میں اپنی زندگی، اس کی مصیبت میں اپنی راحت، اس کے نقصان میں اپنا نفع سمجھنے لگے اور اپنی پوری قابلیت اس خودغرضی پر صرف کرے، بخلاف تجارت اور بیع وشراء کی جائز صورتوں کے، ان میں طرفین کا فائدہ ہوتا ہے اور بذریعہ تجارت اموال کے تبادلہ سے دولت بڑھتی ہے اور خریدنے والا اور بیچنے والا دونوں اس کا فائدہ محسوس کرتے ہیں۔

ایک بھاری نقصان جوئے میں یہ ہے کہ اس کا عادی اصل کمائی اور کسب سے عادۃً محروم ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کی خواہش یہی رہتی ہے کہ بیٹھے بٹھائے ایک شرط لگا کر دوسرے کا مال چند منٹ میں حاصل کرے، جس میں نہ کوئی محنت ہے، نہ مشقت۔ جوئے کا معاملہ اگر دو چار آدمیوں کے درمیان دائر ہو تو اس میں بھی مذکورہ مضرتیں بالکل نمایا نظر آتی ہیں، لیکن اس نئے دور میں جس کو بعض سطحی نظر والے انسان عاقبت نااندیشی سے ترقی کا دور کہتے ہیں، جیسے شراب کی نئی نئی قسمیں اور نئے نئے نام رکھ لیے گئے، سود کی نئی نئی قسمیں اور نئے نئے اجتماعی طریقے بنکنگ کے نام سے ایجاد کرلئے گئے ہیں، اسی طرح قمار اور جوئے کی بھی ہزاروں قسمیں چل گئیں، جن میں بہت سی قسمیں ایسی اجتماعی ہیں کہ قوم کا تھوڑا تھوڑا روپیہ جمع ہوتا ہے اور جو نقصان ہوتا ہے، وہ ان سب پر تقسیم ہو کر نمایاں نہیں رہتا اور جس کو یہ رقم ملتی ہے، اس کا فائدہ نمایاں ہوتا ہے، اس لیے بہت سے لوگ اس کے شخصی نفع کو دیکھتے ہیں، لیکن قوم کے اجتماعی نقصان پر دھیان نہیں دیتے، اس لیے ان کا خیال ان نئی قسموں کے جواز کی طرف چلا جاتا ہے، حالانکہ اس میں وہ سب مضرتیں

موجود ہیں جو دو چار آدمیوں کے جوئے میں پائی جاتی ہیں اور ایک حیثیت سے اس کا ضرر اس قدیم قسم کے قمار سے بہت زیادہ اور اس کے خراب اثرات دور رس اور پوری قوم کی بربادی کا سامان ہیں، کیونکہ اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ ملت کے عام افراد کی دولت گھٹتی جائیگی اور چند سرمایہ داروں کے سرمایہ میں مزید اضافہ ہوتا رہے گا،اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پوری قوم کی دولت سمٹ کر محدود افراد اور محدود خاندانوں میں مرتکز ہو جائے گی، جن کا مشاہدہ سٹہ اور قمار کی دوسری قسموں میں روزمرہ ہوتا رہتا ہے اور اسلامی معاشیات کا اہم اصول یہ ہے کہ ہر ایسے معاملے کو حرام قرار دیا جس کے ذریعے دولت پوری ملت سے سمٹ کر چند سرمایہ داروں کے حوالے ہو سکے۔

قمار یعنی جوئے کی خرابی یہ بھی ہے کہ شراب کی طرح قمار بھی آپس میں لڑائی جھگڑے اور فتنہ وفساد کا سبب ہوتا ہے،ہارنے والے کو طبعی طور پر جیت جانے والے سے نفرت اور عداوت پیدا ہوتی ہے اور یہ تمدن ومعاشرت کے لیے سخت مہلک چیز ہے،اسی لیے قرآن حکیم نے خاص طور پر اس مفسدہ کو ذکر فرمایا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ۔[24]

"اے ایمان والو: بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں۔ان سے الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض و نفرت پیدا کر دے اور تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے"۔

قمار کی ایک اصولی خرابی یہ ہے کہ یہ باطل طریقہ پر دوسرے لوگوں کا مال ہضم کرنے کا ایک طریق ہے، کہ بغیر کسی معقول معاوضہ کے دوسرے بھائی کا مال لے لیا جاتا ہے،اسی کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں منع فرمایا ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۔[25]

"اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ"۔

قمار میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ دفعۃً بہت سے گھر برباد ہو جاتے ہیں، لکھ پتی آدمی فقیر بن جاتا ہے، جس سے صرف یہی شخص متاثر نہیں ہوتا، جس نے جرم قمار کا ارتکاب کیا ہے، بلکہ اس کا پورا گھرانہ اور خاندان مصیبت میں پڑ جاتا ہے اور اگر غور کیا جائے تو پوری قوم اس سے متاثر ہوتی ہے، کیونکہ جن لوگوں نے اس کی مالی ساکھ کو دیکھ کر اس سے معاہدے اور معاملات کئے ہوئے ہیں، یا قرض دئے ہوئے ہیں وہ اب دیوالیہ ہو جائے گا، تو ان سب پر اس کی بربادی کا اثر پڑنا لازمی ہے۔

قمار میں ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ اس سے انسان کی قوت عمل سست ہو کر وہمی منافع پر لگ جاتی ہے اور وہ بجائے اس کے کہ

اپنے ہاتھ یا دماغ کی محنت سے کوئی دولت بڑھاتا رہے، اس کی فکر اس بات میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے کہ کسی طرح دوسرے کی کمائی پر اپنا قبضہ جمائے۔[26]

بہر حال اسلام کے اقتصادی نظام میں اس قسم کے تمام تجارتی کاروبار کے لیے مطلق کوئی جگہ نہیں ہے جو صریح "قمار" ہوں اور یا ان کی تہہ میں مالی ترقی کا وہی جذبہ کار فرما ہو جو "قمار" میں پایا جاتا ہے اور اگر علم الاقتصاد اور علم الاخلاق دونوں کے ماہرین سے اس بارہ میں دریافت کیا جائے تو بغیر کسی اختلاف کے وہ بھی یہی رائے دیں گے، بلکہ رائے دے چکے ہیں کہ "قمار" کی قسم کے تمام معاملات اجتماعی زندگی اور سوسائٹی کے لیے تباہ کن ہیں۔

6: سمگلنگ: (Smuggling)

شرعاً ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مملوک روپے سے اپنی ضروریات یا پسند کا جو سامان جہاں سے چاہے خرید سکتا ہے اور اپنا مال جہاں چاہے فروخت بھی کر سکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی پابندی نہیں ہے، لہٰذا کسی بیرونی ملک سے مال خریدنا وہاں پہنچا کر مال بیچنا شرعاً جائز اور مباح ہے۔

لیکن مختلف ممالک اپنے ملک کے معاشی مصالح کے پیش نظر دوسرے ملکوں کی برآمدات پر پابندی عائد کر دیتے ہیں کہ ان کے آنے کی وجہ سے ملکی مصنوعات اور ان کی نکاسی کو نقصان پہنچ سکتا ہے، لہٰذا ایک صحیح اسلامی حکومت اگر عام مسلمانوں کے مفاد کی خاطر اور معاشی مصالح کے پیش نظر کسی مباح چیز پر پابندی عائد کر دے، تو اس قسم کی پابندی کی گنجائش ہے، اور لوگوں پر اس کی پابندی کرنا شرعاً بھی لازم ہو جاتا ہے، اس لئے اس کی خلاف ورزی کرنا اور سمگلنگ کا کاروبار کرنا درست نہیں ہے۔

اس کی نظیر "تلقی جلب" ہے جس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، "تلقی جلب" سے مراد یہ ہے کہ باہر سے آنے والے تجارتی قافلہ کے شہروں میں آنے سے پہلے ہی کوئی شخص جا کر ان سے غلہ خرید لے اور شہر میں آکر اس سے زیادہ میں فروخت کر دے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔[27] کیونکہ اس کی وجہ سے گرانی بڑھتی ہے اور اس شہر کے باشندوں کو زک پہنچتی ہے، یہی مضرت اسمگلنگ سے بھی پیدا ہوتی ہے کہ غیر ملکی مصنوعات کی آمد کی وجہ سے اس ملک کی صنعت اور یہاں کا معاشی توازن بگڑتا اور متاثر ہوتا ہے۔ نیز حکومت کے احکام کی خلاف ورزی میں چونکہ بہت سے منکرات لازم آتے ہیں، مثلاً اکثر جھوٹ بولنا پڑتا ہے، رشوت دینی پڑتی ہے، جان مال یا عزت وآبرو کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے، جس کی حفاظت کا شریعت میں بڑا خیال رکھا گیا ہے اور بسا اوقات جسمانی تکلیف اور قید وبند کی صعوبت برداشت کرنی پڑتی ہے، اس لئے حکومت کے قانون کی پابندی کرنی چاہئے اور ایسے کاروبار سے اجتناب کرنا چاہئے۔ تاہم اسمگل (Smuggle) ہو کر آنے والی حلال ومباح چیزوں کی خرید وفروخت جائز ہے، ان کو اپنے استعمال میں لانا درست ہے، اور آمدنی حلال ہے۔[28]

سمگلنگ کے شرعی حکم سے متعلق پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں مولانا گوہر رحمن لکھتے ہیں:

"اگرچہ پاکستان کی حکومت اسلامی نہیں ہے، لیکن حکومت جیسی بھی ہو جب اس نے عوامی مفاد میں کوئی قاعدہ بنایا ہو تو شہریوں پر اس کی پابندی ضروری ہو جاتی ہے، بشرطیکہ وہ شریعت کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ شرعاً اگرچہ ایک صوبے کا تاجر اپنا مال دوسرے صوبے میں اور ایک ملک کا تاجر اپنا مال تجارت دوسرے ملک میں فروخت کر سکتا ہے، لیکن شرعاً چونکہ بیرون ملک یا بیرون صوبہ اپنا مال فروخت کرنا فرض اور واجب نہیں ہے، بلکہ صرف مباح ہے، اس لیے قومی اور عوامی مفاد کی خاطر اور مصنوعی مہنگائی کے سدباب کے لیے حکومت بین الصوبائی اور بین الاقوامی سمگلنگ پر پابندی لگا سکتی ہے اور شہریوں پر اس کی پابندی ضروری ہو جاتی ہے۔ تجارت پیشہ لوگوں کا مفاد تو سمگلنگ کی اجازت دینے میں ہے، لیکن عام صارفین کا مفاد اس کی ممانعت میں ہے اور شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ عوام کا مفاد خواص کے مفاد پر مقدم ہے۔ اس کے علاوہ آج کل سمگلنگ کا جو بین الصوبائی اور بین الاقوامی کاروبار ہو رہا ہے، یہ رشوت کے لین دین اور جھوٹ وفریب دہی کے بغیر چل ہی نہیں سکتا، شاید ہی کوئی ایک دو فیصد لوگ ایسے ہوں جو یہ کاروبار کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کے بغیر جاری رکھ سکتے ہوں، اس لیے سمگلنگ کا کاروبار چھوڑ کو ملکی قواعد وضوابط کے مطابق تجارت کرنی چاہیے، بشرطیکہ وہ قواعد وضوابط اسلام کے احکام کے خلاف نہ ہوں۔[29]

اسی طرح مفتی رشید احمد لدھیانوی لکھتے ہیں:

"اسمگلنگ میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی، ملک کا نقصان اور عزت کا خطرہ ہے، اس لئے ناجائز ہے، ایسے مال کی خرید وفروخت اور اس میں تعاون کرنا بھی ناجائز ہے، مگر اس کے منافع حرام نہیں"۔[30]

فقہاء کرام نے اگرچہ سمگلنگ کے کاروبار سے منع کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس امر پر بھی زور دیا ہے کہ بنیادی ضرورت کی اشیاء کو درآمد کرنے کے سلسلے میں حکومت کو بے جا اور ظالمانہ ٹیکس عائد کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے تاکہ لوگ اسمگلنگ پر مجبور نہ ہوں بلکہ وہ قانونی طریقے سے اشیاء درآمد کر سکیں جیسا کہ فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

"جو اشیاء بیرون ممالک سے درآمد کی جاتی ہیں ان پر حکومت تاجروں سے ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی وغیرہ کے نام سے کچھ رقم وصول کرتی ہے، بسا اوقات ان ٹیکسوں میں ناقابل برداشت حد تک اضافہ کر دیا جاتا ہے، اگر یہ ٹیکس مناسب اور جائز انداز میں لیا جاتا ہو اور قومی خزانہ میں جمع ہو کر قومی مفاد میں استعمال کیا جاتا ہو تو پھر سامان تجارت چوری چھپے لانا مناسب نہیں کیونکہ حکومت وقت درآمد کردہ اشیاء پر ضروری ٹیکس لگانے کی مجاز ہے، البتہ اگر حکومت ان ٹیکسوں میں ناقابل برداشت اضافہ کر کے تاجروں کو تنگ کرتی ہو اور ٹیکس کے نام سے وصول کی گئی رقم قومی خزانے کے بجائے ذاتی خواہشات اور ضروریات میں صرف کی جاتی ہو تو ایسی صورت میں مال لانے والا ٹیکس سے بچنے کی مناسب تدابیر اختیار کرے، تو کوئی مضائقہ نہیں، البتہ دروغ گوئی، خیانت اور دھوکہ بازی سے بہر حال اجتناب ضروری ہے"۔[31]

ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ بعض اوقات حکومت اسمگلنگ کا مال ضبط کر کے انہیں نیلام کر دیتی ہے، تو اس کے بارے میں

شرعی حکم یہ ہے کہ شرعًا حکومت کو یہ اختیار تو ہے کہ وہ جائز قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں پر جو مناسب جسمانی سزا چاہے نافذ کر سکتی ہے، لیکن ان کا مال اور سامان ضبط کرنا اور نیلام کرنا شرعًا جائز نہیں، کیونکہ یہ مال ان کی ملکیت ہے اور جب تک وہ اسے بیچنے کی اجازت نہ دیں، حکومت یا کسی اور کو اس کی خرید و فروخت جائز نہیں، اور خرید کر اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں، فتاوٰی حقانیہ میں ہے:

''چونکہ شرعی نقطہ نظر سے یہ سامان اصل مالک کی ملک سے نہیں نکلتا ہے، کیونکہ حکومت کے لئے رعایا کے اموال ضبط کرنا مناسب نہیں، لہٰذا ایسا سامان اصل مالک کی ملک سے خارج نہ ہونے کی وجہ سے واجب الرّد ہے، اس بناپر ضبط شدہ مال کی خرید و فروخت جائز نہیں اور حکومت کی اندرون ملک انتقال اشیاء پر پابندی لگانا جائز نہیں''۔[32]

7:　اسراف اور تبذیر:

اسلام نے جس طرح مال و دولت کمانے میں غیر مشروط آزادی نہیں دی، اسی طرح خرچ کرنے میں بھی مکمل آزادی نہیں دی اور نہ کھلی چھوٹ دی ہے کہ جہاں چاہے اور جیسے چاہے خرچ کرے، بلکہ شرائط عائد کی ہیں اور حدود مقرر کر دی ہیں۔ مال اور وسائل زندگی کا ذریعہ ہیں، ان کو ضائع کرنا اور بے جا خرچ کرنا جرم ہے، اس لیے قرآن حکیم و حدیث نبویؐ میں مسلمانوں کو اسراف اور تبذیر سے روکا اور منع کیا گیا ہے۔

اسراف کی لغوی تعریف بیان کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

السرف تجاوز الحد فی کل فعل یفعلہ الانسان۔[33]

''لغت میں ہر انسان کے کسی فعل میں حد سے تجاوز کرنے کو اسراف کہتے ہیں'' ۔

اصلاحی تعریف کرتے ہوئے نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

''اسراف قرآن کریم کی ایک جامع اصلاح ہے، اس کا اطلاق ہر ایسے طرز عمل پر ہوتا ہے جو صحیح انسانی اور اسلامی طرز عمل سے ہٹا ہوا ہو، لیکن صَرف مال اور استعمال ملکیت کے سلسلہ میں اس کے معنی کچھ محدود ہیں، جس غرض کی تکمیل مال و املاک کی ایک مخصوص مقدار صرف کر کے کی جاسکتی ہے، اس پر دانستہ اور بلا مزید فائدہ کے زائد مقداریں صرف کرنا اسراف ہے''۔[34]

مال میں اسراف کی ممانعت کے متعلق قرآن مجید کی آیت ہے:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔[35]

''اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو''۔

شرعی اعتبار سے انسان پر کھانا پینا فرض و لازم ہے، اگر کوئی شخص قدرت کے باوجود کھانا پینا چھوڑ دے، یہاں تک کہ مر جائے یا اتنا کمزور ہو جائے کہ فرائض و واجبات بھی ادا نہ کر سکے تو ایسا شخص عند اللہ مجرم اور گناہگار ہے، اس آیت میں کھانے پینے کی

اجازت ہی نہیں بلکہ حکم ہے، مگر اس کے ساتھ ہی اسراف کی ممانعت ہے، اسراف کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں اور حد سے تجاوز کی کئی صورتیں ہیں۔

1۔ حلال سے تجاوز کر کے حرام تک پہنچ جانا اور حرام چیزوں کو کھانے پینے لگ جانا۔

2۔ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو کسی شرعی وجہ کے بغیر حرام سمجھ کر چھوڑ دینا، جس طرح حرام چیزوں کا استعمال جرم و گناہ ہے، اسی طرح حلال چیزوں کو حرام سمجھنا بھی سخت گناہ ہے۔

3۔ بھوک اور ضرورت سے زیادہ کھانا پینا اسراف ہے۔

4۔ ہر وقت کھانے پینے کی فکر میں رہنا بھی اسراف ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَالْبَسُوا وَتَصَدَّقُوا في غير اسراف ولا مخيلة ۔[36]

"کھاؤ اور پیو اور پہنو اور صدقہ کرو، لیکن بغیر فضول خرچی اور بغیر تکبر کے"۔

اور حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ:

كُلْ ماشئتَ وَالْبِسْ ماشئتَ ما اخطا تِكَ اِثْنَتان سرفٌ اوْ مَخِيْلَةٌ ۔[37]

"(شریعت کے احکام کی حد میں) جو چاہو کھالو اور جو چاہو پہنو، بشر طیکہ دو چیزیں نہ ہوں، فضول خرچی اور تکبر"۔

اسراف سے ملتی جلتی ایک چیز تبذیر ہے، تبذیر کی لغوی تعریف کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

التبذير: التفريق واصله القاء البذر وطرحه فاستعير لكلِّ مُضيّعٍ لما له فتبذير البذر تضييعٌ في الظّاهر لمن لم يعرف مآل مايلقيه ۔[38]

"التبذیر کے معنی پراگندہ کرنے اور بکھیر دینے کے ہیں، اصل میں تبذیر کے معنی زمین میں بیج ڈالنے کے ہیں اور چونکہ زمین میں بیج ڈالنا ناعاقبت اندیش لوگوں کی نظر میں بظاہر ضائع کرنا ہوتا ہے، اس لیے تبذیر کا لفظ بطور استعارہ مال ضائع کر دینے کے لیے استعمال ہونے لگا ہے"۔

اصطلاح میں امام شافعی سے منقول ہے:

والتبذير انفاق المال في غير حقه ولا تبذير في عمل الخير۔[39]

"تبذیر ناجائز کام میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں، نیک کام میں تبذیر نہیں ہوتی"۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فوائد القرآن میں تبذیر کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ، فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تفویت حقوق (حقوق کا پورا نہ کرنا) اور ارتکاب حرام کا سبب بنے''۔[40]

علامہ الماوردی اسراف اور تبذیر کے باہمی فرق پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کمیت یعنی مقدار خرچ میں حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے اور یہ ثبوت ہے ان عائد شدہ حقوق کی مقدار سے جہالت کا جو اس کے ذمہ ہیں اور کیفیت یعنی مواقع صرف و خرچ میں حد سے تجاوز کا نام تبذیر ہے اور یہ شہادت ہے ان مواقع صرف سے نادان بننے کی جو صحیح اور حق مواقع ہیں''۔[41]

مولانا محمد طاسین لکھتے ہیں:

''گویا اسراف میں خرچ کا مصرف تو صحیح ہوتا ہے، لیکن خرچ کی مقدار صحیح نہیں ہوتی، جبکہ اس کے برخلاف تبذیر میں خرچ کی مقدار تو صحیح ہوتی ہے لیکن مصرف صحیح نہیں ہوتا، دونوں کا نتیجہ مال کے ضیاع کی شکل میں ظاہر اور نمودار ہوتا ہے جو مالک حقیقی اللّٰہُ ربّ العٰلمین کی منشاء کے خلاف ہے'' ۔[42]

تبذیر کی ممانعت کے متعلق سورۃ الاسراء میں فرمان الٰہی ہے:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۔[43]

''اور مال کو بے جا اور بے محل خرچ نہ کرو اور یاد رکھو کہ بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے''۔

بے جا اور بے محل کا مطلب یہ کہ جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے حرام و ممنوع ٹھہرایا ہے، جیسے شراب نوشی، قمار بازی، تصویر سازی، بیہودہ کھیل کود، لہو و لعب اور غلط رسوم وغیرہ ان میں مال خرچ کرنا تبذیر کی تعریف میں آتا ہے، جیسے مذکورہ قرآنی آیت میں ممنوع ٹھہرایا اور اس سے سختی کے ساتھ روکا ہے، کیونکہ اس سے مال ضائع ہوتا ہے جو اللہ کو پسند نہیں اور بلحاظ نتیجہ خود انسان کے لیے مضر اور نقصان دہ ہے۔

مذکورہ آیت میں تبذیر کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے، اس مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ شیطان جیسا کہ اس قوت کا نام ہے جو بجائے خیر کے ہمیشہ شر اور برائی پر صرف ہوتی ہے، یہی حال مبذّر کا ہے کہ خدا کی دی ہوئی مالی طاقت کو وہ بھی برائی اور شر کے حصول میں صرف کرتا ہے، اسی لیے اس کا بھائی ہے اور جس طرح شیطان اپنی قوت کے غلط استعمال سے خدا کا ناشکرا قرار پایا، یہی حال اس (مبذّر) ناشکرے کا ہے۔[44] اسراف اور تبذیر سے معاشی عدم توازن بھی پیدا ہوتا ہے اور معاشرے میں اخلاقی اور سماجی خرابیاں بھی پھیلتی ہیں، جو شخص انفاق مال میں اخلاقی قیود و حدود کی پابندی نہیں کرتا، وہ کسب مال میں بھی حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی

تمیز نہیں کرتا، اسلام نے کسب وانفاق یعنی آمد و خرچ دونوں میں انسان کو شتر بے مہار کی طرح آزاد نہیں چھوڑا، بلکہ قیود و حدود لگادی ہیں، قومی وملی معیشت اور شخصی وانفرادی معیشت دونوں میں اسلام نے اسراف و تبذیر اور بخل و کنجوسی کے درمیان اعتدال واقتصاد یعنی میانہ روی پر قائم رہنے کی تاکید کی ہے، نہ اتنا افراط کہ گناہوں کے کاموں میں بھی مال خرچ کیا جائے اور نہ اتنی تفریط کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں بھی مال خرچ نہ کیا جائے اور حقوق واجبہ تک ادا نہ کیے جائیں، ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۔[45]

"اور نہ اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لے اور نہ اسے بالکل کھول دے ورنہ تو ملامت شدہ اور تہی دست ہو کر بیٹھ جائے گا"

مَلُوْمًا کا تعلق بخل سے ہے، اس لیے کہ بخیل کو ہر کوئی ملامت کرتا ہے، برا سمجھتا ہے اور اس سے نفرت کرتا ہے اور مَحْسُوْرًا کا تعلق اسراف سے ہے، اس لیے کہ بے جا خرچ کرنے والا اور اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانے والا جلد ہی تہی دست اور فقیر ہو جاتا ہے اور پھر افسوس کرتا ہے کہ ہاتھ میں کچھ باقی نہیں رہتا۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی صفت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۔[46]

"اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر رہتا ہے"۔

قواماً کے معنی ہیں عدلاً وصواباً یعنی درست اور اعتدال وتوازن۔ اقتصاد اور میانہ روی معیشت کو متوازن بنادیتی ہے اور اس کے برعکس اسراف واقتار یعنی فضول خرچی اور بخل و کنجوسی اسے غیر متوازن بناتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اقتصاد و میانہ روی کی برکات بیان فرمائی ہیں:

عن ابی الدرداء قال رسول اللّٰہ ﷺ من فقه الرجل رفقه فی معیشتهٖ ۔[47]

"ابودرداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کی دانشمندی اور فقاہت یہ ہے کہ وہ اپنی معیشت میں نرمی اور میانہ روی اختیار کرے"۔

عن عبداللہ بن مسعودؓ قال رسول اللّٰہ ﷺ ماعال من اقتصد ۔[48]

"ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص خرچ کرنے میں اعتدال و میانہ روی اختیار کرتا ہے، وہ تنگدست نہیں ہو سکتا"۔

عن حذیفہؓ قال رسول اللّٰہ ما احسن القصد فی الغنی واحسن القصد فی الفقر واحسن القصد فی العبادۃ۔[49]

"حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، کتنی اچھی ہے میانہ روی غنی ہونے کی حالت میں اور کتنی اچھی ہے میانہ روی فقر کی حالت میں اور کتنی اچھی ہے میانہ روی عبادت میں"۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الاقتصاد فی النفقۃ نصف المعیشۃ ۔[50]

"خرچہ میں میانہ روی آدھی معیشت ہے"۔

شاید مطلب یہ ہے کہ ایک اچھی اور کامیاب معیشت کا دارومدار دو چیزوں پر ہے، ایک حصول رزق و مال کے لیے صحیح طریقہ سے جدوجہد اور محنت و مشقت کرنا اور دوسری چیز مال خرچ کرنے میں میانہ روی اور کفایت شعاری سے کام لینا یعنی حد سے بڑھ کر خرچ نہ کرنا۔

یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ انفاق مال کی مصرف کے لحاظ سے دو قسمیں یا دو صورتیں ہیں، ایک کا تعلق فی سبیل اللہ سے ہے یعنی ایسے امور سے ہے جو دین حق کی دعوت و تبلیغ اور نشر واشاعت نیز اجتماعی فلاح و بہبود اور رفاہ عامہ کے زمرہ میں آتے ہیں اور دوسری قسم یا صورت کا تعلق ان امور سے ہے جو کسی فرد اور شخص کی ذاتی حاجات و ضروریات اور طبعی و فطری خواہشات سے وابستہ ہوتے ہیں، جیسے کھانا پینا، پہننا پوشنا، رہنا سہنا وغیرہ جہاں تک انفاق مال کی پہلی قسم یا صورت کا تعلق ہے، یعنی انفاق فی سبیل اللہ کا، اس میں شریعت اسلامی نے زکوۃ و فطرہ کی حد تک تو انفاق کی مقدار مقرر کی ہے، جس کا ادا کرنا غنی مسلمانوں پر واجب اور لازم ہوتا ہے، زکوۃ دینے کے بعد جو مال کسی غنی مسلمان کے پاس رہ جاتا ہے، اس کے متعلق اسے اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو پورا راہ خدا اور مصارف خیر میں خرچ کر ڈالے اور چاہے تو اس کا ایک حصہ خرچ کر دے۔ بہر حال اگر کوئی مسلمان اپنا پورا مال راہ خدا اور مصارف خیر میں خرچ کر دیتا ہے تو اس کا ایسا کرنا اسراف کی تعریف میں نہیں آتا اور وہ گنہگار نہیں ٹھہرتا، بلکہ بڑے اجر و ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے اسراف کا تعلق دوسری قسم کے انفاق سے ہے یعنی ذاتی حاجات اور نجی ضروریات پر حد سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے، جس سے منع کیا گیا ہے۔[51]

الحاصل صرف و خرچ میں اسراف اور تبذیر معیشت فاسدہ اور معاشرتی بدامنی کی علامات ہیں، اس لیے "اقتصاد" اور میانہ روی اختیار کرنا ضروری ہے۔

8: اتلاف مال :

سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی ایک بڑی خامی یہ ہے کہ وہ تلف مال کو جرم قرار نہیں دیتا، بلکہ اس کو مال کے مالک کا جائز حق قرار دیتا ہے، چنانچہ مشہور مغربی محقق جان آسٹن کہتا ہے:

"غیر منقول املاک یا مویشی وغیرہ میں مطلق ملکیت کی رو سے اپنی ملکیت کے تباہ کر دینے یا ضائع کر دینے کا حق حاصل ہے،

مگر شرط یہ ہے کہ اس تباہی میں کسی دوسرے فرد پر کوئی برا اثر نہ پڑے"۔[52]

دراصل نظام سرمایہ داری نے ملکیت کا جو بے قید اور خود مختار تصور دیا ہے اس کا تقاضا ہی یہ ہے کہ فرد کے لیے اپنے مال کو ضائع کر دینے کا حق بھی تسلیم کیا جائے،یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے حامل ممالک میں اس قسم کے اتلاف مال کو قانونی تحفظ حاصل ہے ،ان ممالک میں اموال تجارت یا صنعتی اور زرعی پیداوار کو ضائع کر دینا کوئی انوکھی بات نہیں ہے ،جب کاروباری یہ دیکھتا ہے کہ مال کے ایک حصہ کو تلف کر دینے سے بقیہ مال کی قیمت چڑھ جائے گی اور مجموعی نفع میں اضافہ ہو جائے گا تو اس کی خود غرضی اسے مال کو تلف کرنے پر آمادہ کر دیتی ہے۔اس کے برعکس اسلامی تصور ملکیت کا اولین تقاضا یہ ہے کہ فرد کو اپنی ملکیت کے فضول ضائع کرنے کا حق نہ دیا جائے۔اسلام نے ملکیت کا جو تصور دیا ہے اس کی رو سے ہر قسم کی اشیاء اصلاً اللہ کی پیدا کردہ اور اس کی ملکیت ہیں،اللہ تعالیٰ جس کو عطا کر دے،وہ ان کا مالک تو بن جاتا ہے،اور اللہ ان میں تصرف و انتقال کے حقوق بھی اس کو عطا کر دیتا ہے،مگر یہ تمام حقوق اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے مصالح کے پابند ہوتے ہیں۔گویا انسان کو ہر قسم کی اشیاء پر ملکیت تو حاصل ہے مگر آزاد اور مختار نہیں،بلکہ اصلی مالک کی طرف سے کچھ حدود و قیود اس ملکیت پر عائد ہیں۔اس لحاظ سے انسان کی ملکیت فی الحقیقت مالک حقیقی کی امانت ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ امین کو امانت کے ضائع کر دینے کا حق نہیں۔

دراصل اس سلسلہ میں اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مال و املاک وغیرہ بنی نوع انسان کی زیست کا سہارا ہیں،اس سہارے کو غلط طریقہ سے ضائع کرنا فی الواقعی پوری انسانیت کی حق تلفی اور نسل انسانی پر صریح ظلم کے ہم معنی ہے ،اسی لیے اتلاف مال کو فساد سے تعبیر کرتے ہوئے ارشاد ہے:

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ۔[53]

"اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں اس لیے دوڑ دھوپ کرتا پھرتا ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کر دے،حالانکہ اللہ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا"۔

ایک دوسری جگہ پر اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۔[54]

"اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے"۔

آنحضرت ﷺ نے بھی مختلف مواقع پر صراحتاً مال کو ضائع کرنے کی ممانعت فرمائی۔امام بخاری کتاب الرقاق میں حضرت مغیرہؓ سے ایک روایت لائے ہیں،آپؐ فرماتے ہیں:

قالَ وکانَ ینتهی عنْ قیل وقال وکثرة السُّوال واضاعة الْمال ومنع وَّهاتٍ وعقوق الامهات ووادِ الْبناتِ۔[55]

"(راوی نے) کہا کہ آپؐ قیل و قال کرنے ،بہت زیادہ سوالات دریافت کرنے ،مال کو ضائع کرنے ،خود نہ دینے اور دوسروں سے مانگنے ،ماں کی نافرمانی کرنے اور بچوں کو زندہ دفن کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے"۔

اسی طرح کتاب الزکوٰۃ میں بھی حضرت مغیرہ بن شعبہ سے ہی امام بخاری ایک روایت لائے ہیں ،اس میں بھی آنحضرت ﷺ نے بڑے ہی صریح الفاظ میں اتلاف مال سے منع فرمایاہے، حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں:

سمِعۡتُ النّبی ﷺ یقولُ اِنّ اللّٰہ کرہ لکُمۡ ثلاثاً قیل وقال واضاعۃ الۡمال وکثرۃ السّوالِ ۔[56]

"میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند فرمایاہے، قیل و قال کرنا،مال ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا"۔

یہی مضمون صحیح مسلم میں ایک دوسری مفصل حدیث میں بھی آیاہے،اس کی تشریح کرتے ہوئے امام نوویؒ لکھتے ہیں:

واما اضاعۃ المال فھو صرفہ فی غیر وجوہہ الشرعیۃ وتعریضہ للتلف و سبب النھی انہ فساد و اللّٰہ لایحب المفسدین ولانہ اذاضاع مالہ تعرض لمافی ایدی الناس۔[57]

"اضاعت مال سے مراد مال کو غیر شرعی طور پر صرف کرنااور تلف بے جا کے حوالہ کرناہے، ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ (معاشرہ میں) بگاڑ پیدا کرنے کے ہم معنی ہے اور اللہ فساد پیدا کرنے والوں کو ناپسند کرتاہے،مزید برآں یہ کہ جب کوئی شخص اپنامال ضائع کردے گا تو کسی دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے کی فکر میں لگ جائے گا"۔

امام نووی کی اس تشریح سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ قرآن کریم میں فساد (بگاڑ) پیدا کرنے کی جو ممانعت آئی ہے،اس میں تلف مال کی ممانعت خود بخود شامل ہے، کیونکہ تلف مال فساد پیدا کرنے کی ایک شکل ہے۔

مفید اشیاء کی تباہی دراصل اسلام کی نظر میں پوری انسانیت کا مشترکہ نقصان ہے،یہی وجہ ہے کہ دشمنوں سے جنگ کی حالت میں بھی تلف مال سے حتی الامکان پرہیز کو اسلام ضروری قرار دیتا ہے، حضرت ابو بکرؓ صدیق نے جب شام کی طرف فوجیں روانہ فرمائیں، تو حضرت یزید بن ابی سفیانؓ سپہ سالار افواج کو نصیحت فرمائی:

انّی موصیك بعشر لا تقتلن امرأۃ ولاصبیاً ولاکبیراً ھرِما ولا تقطعن شجراً مثمراً ولا تخربنّ عامراً ولا تعقرنّ شاۃً ولا بعیراً الّا لاکلہ ولا تحرقن نخلاً ولا تغرقنّہ ولا تغلل ولاتجۡبُنۡ۔[58]

"میں تمہیں دس باتوں کی تلقین کرتاہوں: کسی عورت، بچے یا بہت بوڑھے کو قتل نہ کرنا، کسی بھی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، کسی آباد زمین کو ویران نہ کرنا، کسی بکری یا اونٹ کو بجز غذائی ضروریات کے ذبح نہ کرنا، شہد کی مکھیوں کو نہ جلانااور نہ انہیں پانی میں غرق کرنا،مال غنیمت میں خیانت نہ کرنااور بزدلی نہ دکھانا"

البتہ حالت جنگ میں اگر دشمن کی طاقت توڑنے کے لیے مال تلف کرنا ناگزیر ہو جائے تو اس کی اجازت دی گئی ہے، جیسا کہ سورۃ الحشر کی درج ذیل آیت سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے:

مَاقَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْتَرَكْتُمُوْهَاقَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۔[59]

"تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا اور اس لیے بھی کہ فاسقوں کو اللہ تعالیٰ رسوا کرے"۔

یہودی گروہ بنو نضیر کے محاصرہ کے دوران نبی کریم ﷺ کے حکم سے مسلمانوں نے بنو نضیر کے کھجوروں کے درختوں کو آگ لگادی، کچھ کاٹ ڈالے اور کچھ چھوڑ دیئے، جس سے مقصود دشمن کی آڑ کو ختم کرنا اور یہ واضح کرنا تھا کہ اب مسلمان تم پر غالب ہیں ،وہ تمہارے اموال وجائیداد میں جس طرح چاہیں تصرف کرنے پر قادر ہیں،اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی اس حکمت عملی کی تصویب فرمائی اور اسے یہود کی رسوائی کا ذریعہ قرار دیا۔ غرض اسلام میں اتلاف مال کی ممانعت ایک ثابت شدہ اصول ہے، جس پر چلنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

9: ناپ تول میں بدعنوانی کرنا:

ناپ تول میں بدعنوانی کرنا ایک تو اخلاقی جرم ہے،دوسرے یہ کئی برائیوں کا مجموعہ ہے، مثلاً جھوٹ، خیانت، دھوکہ دہی وغیرہ۔اس لیے اسلام نے اس کی سختی سے ممانعت کی ہے،قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر پورا تولنے کا حکم آیا ہے،ایک جگہ ارشاد ہے:

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ۔[60]

"اور پیمانے اور میزان کو انصاف کے ساتھ پورا کرو"۔

ناپ تول میں کمی کرنا، لیتے وقت تو پورا تول لینا، مگر دیتے وقت ایسا نہ کرنا، بلکہ ڈنڈی مار کر دوسرے کو کم دینا، یہ نہایت پست اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہے، قوم شعیب علیہ السلام میں یہی اخلاقی بیماری تھی جس سے انہیں منع فرمایا گیا اور انہیں پورا پورا ناپ اور تول کر دینے کی تلقین کی گئی،قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ ۔[61]

"پس تم ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو"۔

اسی طرح ایک اور مقام پر تولنے کی چیزوں کو صحیح ترازو سے تول کر دینے کا حکم دیا گیا ہے:

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلاً۔[62]

"اور پورا بھر دو ماپ جب ماپ کر دینے لگو اور تولو سیدھی ترازو سے، یہ بہتر ہے اور اچھا ہے اس کا انجام"۔

آیت مذکورہ کے آخر میں ناپ تول پورا کرنے کے متعلق دو باتیں ارشاد فرمائیں،ایک اس کا خیر ہونا،اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسا کرنا اپنی ذات میں اچھا اور بہتر ہے،شرعی کے علاوہ عقلی اور طبعی طور پر بھی کوئی شریف انسان ناپ تول کی کمی اچھا نہیں سمجھتا۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ انجام اس کا بہتر ہے،جس میں آخرت کا انجام اور حصول ثواب وجنت تو داخل ہے ہی،اس کے ساتھ دنیا کے انجام کی بہتری کی طرف بھی اشارہ ہے۔ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۔[63]

"انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کم نہ دو"۔

دوسری جگہ ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید آئی ہے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ o اَلَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ o وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ o اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ o لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ o يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔[64]

"ان لوگوں پر دردناک عذاب ہے جو دوسروں کا حق کم دیتے ہیں،اور کم ناپتے ہیں،یہ وہ لوگ ہیں کہ جب دوسروں سے اپنا حق وصول کرنے کا موقع آتا ہے تو اس وقت اپنا حق پورا پورا لیتے ہیں،لیکن جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دینے کا موقع آتا ہے تو اس وقت (ڈنڈی مار دیتے ہیں) کم کر دیتے ہیں۔(جتنا حق دینا چاہئے تھا،اتنا نہیں دیتے)۔(آگے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ) کیا ان لوگوں کو یہ خیال نہیں کہ ایک عظیم دن میں دوبارہ زندہ کیے جائیں گے،جس دن سارے انسان ربُّ العٰلمین کے سامنے پیش ہوں گے" (اور اس وقت انسان کو اپنے چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں ہوگا اور اس دن ہمارا اعمال نامہ ہمارے سامنے آجائے گا،توکیا ان لوگوں کو یہ خیال نہیں کہ اس وقت کم ناپ کر اور کم تول کر دنیا کے چند ٹکوں کا جو تھوڑا فائدہ اور نفع حاصل کررہے ہیں،یہ چند ٹکوں کا فائدہ ان کے لیے جہنم کے عذاب کا سبب بن جائے گا،اس لیے قرآن کریم نے بار بار کم ناپنے اور کم تولنے کی بُرائی بیان فرمائی اور اس سے بچنے کی تاکید فرمائی)

ناپ تول میں کمی ایک تو یہ ہے کہ دکان دار سودا بیچنے میں ڈنڈی مارتا ہے اور خریدار کو وزن یا ناپ کے اعتبار سے چیز کم دیتا ہے عرف عام میں اسی کو ناپ تول میں کمی کہتے ہیں،لیکن جو لوگ اپنی ڈیوٹی پوری نہیں دیتے،تاخیر سے کام پر پہنچتے ہیں یا وقت سے پہلے کام چھوڑ دیتے ہیں یا وقت تو پورا دیتے ہیں مگر اس میں سوتے رہتے ہیں یا کام کی طرف توجہ نہیں دیتے اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں،یہ سب ناپ تول میں کمی کے زمرے میں آتا ہے۔ مذکورہ آیت میں دردناک عذاب کی جو وعید آئی ہے وہ ایسے تمام لوگوں کیلئے بھی ہے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"پانچ چیزیں پانچ چیزوں سے آتی ہیں،صحابہؓ نے پوچھا وہ پانچ چیزیں کیا ہیں؟آپ نے فرمایا:

1۔ جب کوئی قوم عہد توڑتی ہے تواللہ اس پر اس کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔

2۔ جب وہ اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف فیصلہ کرتی ہے تو اس میں فقر (افلاس) پھیل جاتا ہے۔

3۔ جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے، اس میں موت کی کثرت ہو جاتی ہے۔

4۔ جو قوم زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے لگتی ہے، اس سے بارش روک لی جاتی ہے۔

5۔ جب وہ ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے تو ان کی زمین سے روئیدگی روک لی جاتی ہے اور اسے قحط میں مبتلا کیا جاتا ہے۔[65]

حضرت سوید بن قیسؓ کہتے ہیں:

"میں اور مخرمہ مقام ہجر سے کپڑا خرید کر لائے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک شلوار فروخت کی، وہاں ایک وزن کرنے والا تھا جو اجرت لے کر وزن کیا کرتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس فرمایا کہ وزن کیا کرو اور جھکتا ہوا تولا کرو"۔[66]

خلاصہ یہ کہ اسلام کے مذکورہ بالا زرین تعلیمات پر عمل کرنے سے ریاست میں معاشی استحکام پیدا ہوگا جس کے نتیجے میں معاشرے سے بدامنی اور فساد کا کافی حد تک خاتمہ ہو جائیگا۔

حوالہ جات

---

[1] التوبہ9:34-35

[2] التوبہ9:34-35

[3] عبدالماجد دریاآبادی، تفسیر ماجدی، کراچی، تاج کمپنی لمیٹڈ، 1952ء، ص403

[4] ال عمران3:180

[5] الھمزۃ104:1-3

[6] الحشر59:7

[7] الذّٰرِیٰت51:19

[8] حفظ الرحمن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، (ترتیب جدید، نور محمد غفاری) کراچی، شیخ الہند اکیڈمی، ص117-120

[9] محمود حسن، ایضاح الادلہ، مطبوعہ دیوبند انڈیا، ص268 بحوالہ سعید الرحمن علوی، اسلامی حکومت کا فلاحی تصور، لاہور، مکتبہ جمال 2003ء ص91

[10] عماد الدین ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، الشہیر بتفسیر ابن کثیر، لاہور، سہیل اکیڈمی، 1392ھ، تفسیر سورۃ توبۃ، آیت 34-35

[11] بخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب قول النبیؐ ﷺ ما احب ان۔۔۔

[12] ابن ماجہ، محمدبن یزید القزوینی، السنن، ابواب التجارات، باب الحکرۃ والجلب

[13] ایضاً

[14]مولانا محمد یوسف لدھیانوی،آپ کے مسائل اوران کا حل،کراچی،مکتبہ لدھیانوی،1997ء،6: 79-80

[15]النووی ، ابوزکریا ، یحییٰ بن شرف ، المنہاج فی شرح مسلم ، کتاب البیوع ، باب تحریم تلقی الجلب ،2:4

[16]مسلم ، کتاب البیوع ، باب تَحْرِيمُ تَلَقِّي الْجَلَبِ

[17] Oxford Advanced Learners Dictionary,8th Edition,p1482

[18] تقی عثمانی، فقہی مقالات، کراچی، میمن اسلامک پبلیشرز،1994ء،5:51

[19]عبدالرحمن کیلانی،اسلام میں ضابطہ تجارت،لاہو،مکتبہ اسلام،ص88۔89

[20]ترمذی ، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ، السنن ، ابواب البیوع ، باب ماجآء فی کراہیۃ بیع مالیس عندہ

[21] تقی عثمانی، فقہی مقالات،5:52-55

[22]عبدالرحمن کیلانی،اسلام میں ضابطہ تجارت،ص89

[23]البقرہ2:219

[24]المائدہ5:90

[25]البقرہ2:188

[26]مفتی محمد شفیع،معارف القرآن،کراچی،ادارۃ المعارف،1979ء،ج1،ص533-536

[27]السنن لابن ماجہ، ابواب التجارات، باب النہی عن تلقی الجلب

[28]رحمانی خالد سیف اللہ،جدید فقہی مسائل،لاہور،حراپبلی کیشنز،1989ء،ج1،ص238-239

محمد کمال الدین،جدید تجارت،اورروزمرہ معاملات کے شرعی احکام،کراچی،ماریہ اکیڈمی،2002ء،ص88-90

[29]مولانا گوہر رحمن، تفہیم المسائل،مردان،مکتبہ تفہیم القرآن،1999ء،ج3،ص358-359

[30]لدھیانوی،مفتی رشید احمد،احسن الفتاوٰی،کراچی،ایچ ایم سعید کمپنی،1420ھ،ج8،ص95

[31]فتاوٰی حقانیہ،اکوڑہ خٹک،دارالعلوم حقانیہ،2003ء،ج6،ص69-70

[32]ایضا،ج6،ص71

[33]الاصفہانی،الحسین بن محمد المعروف بالراغب، معجم مفردات الفاظ القرآن،کراچی،میر محمد کتب خانہ،ص236

[34]صدیقی، محمد نجات اللہ،اسلام کا نظریہ ملکیت،لاہور،اسلامک پبلی کیشنز،1989ء،ج1،ص215

[35]الاعراف7:31

[36]الجامع الصحیح للبخاری ، کتاب اللباس ، باب قول اللہ تعالیٰ من حرّم زِینَۃ اللہ ۔۔۔

[37]ایضا

[38]المفردات لالفاظ القرآن،ص37

[39]القرطبی ، محمد بن احمد ، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ، قاہرہ ، دارالکاتب العربی ، 1967ھ ، ج10 ، ص247

[40] محمود الحسن، شبیر احمد عثمانی، فوائد القرآن، مدینہ منورہ، 1989ء، ص377

[41] آلوسی، شہاب الدین، سید محمود البغدادی،، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، بیروت، احیاء التراث العربی، 1405ھ، ج15، ص63

[42] مولانا محمد طاسین، اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات، کراچی، مجلس علمی فاؤنڈیشن، 1997ء، ص143

[43] الاسراء 17:26-27

[44] مناظر احسن گیلانی، اسلامی معاشیات، کراچی، دار الاشاعت، ص440

[45] الاسراء 17:29

[46] الفرقان 25:67

[47] مسند احمد، 5:194

[48] ایضا1:447

[49] کشف الاستار عن زوائد البزار، ج4، ص232

[50] کنز العمال للہندی، کتاب الاخلاق، باب فی الاخلاق والافعال المحمودۃ، رقم 5434، ج3، ص49

[51] مولانا محمد طاسین، اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات، ص145-146

[52] بحوالہ فہیم عثمانی، اسلامی معیشت کے چند نمایاں پہلو، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، 1987ء، ص81

[53] البقرۃ2:205

[54] الاعراف7:85

[55] بخاری، کتاب الرقاق، باب مایکرہ من قیل وقال

[56] بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب قول اللّٰہ تعالیٰ لایسئلون النّاس الحافا۔۔۔

[57] نووی، شرح مسلم، کتاب الاقضیہ، باب النہی عن کثرۃ المسائل من غیر حاجۃ، ج2، ص76

[58] موطا امام مالک، کتاب الجہاد، باب النہی عن قتل النّساء۔۔۔ص 464

[59] الحشر 59:5

[60] الانعام6:152

[61] الاعراف7:85

[62] الاسراء17:35

[63] الرحمن55:9

[64] المطففین 83:1-6

[65] الترغیب والترہیب للمنذری، کتاب الصدقات، الترہیب من منع الزکوٰۃ، رقم 1:544، 21

[66] ابوداودطیالسی، المسند، بیروت، دارالمعرفۃ، ص165، رقم 1192